بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نظرات

ہمارا موجودہ دور اس لحاظ سے تاریخ میں بڑا عجیب وغریب دور ہے کہ اس میں جہاں ایک طرف اسلام کو دنیا کے مختلف طبقات بنظر استحسان دیکھ رہے اور اس کی خوبیوں اور کمالات کا اعتراف زبان اور قلم سے کر رہے ہیں یہاں تک کہ اپنے مذہب کو چھوڑ چھوڑ کر اسلام کے دامنِ امن و سلام میں سکون پا رہے ہیں وہیں دوسری طرف خود اسلام کے نام لیوا آپس کے تنازعات، سیاسی اختلافات، گروہی عصبیت، جماعتی تحزب، بین الاداراتی انتشار و افتراق، برادر کشی اور خدا جانے کن کن نفسیاتی، اخلاقی اور روحانی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ جس کسی نے یہ کہا تھا کہ "مذاہب میں بہترین مذہب اسلام ہے مگر قوموں میں سب سے پست اخلاق کی حامل قوم مسلمان ہے" اس نے کچھ بہت غلط بات نہیں کہی تھی، لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جس قندیل کے حامل ایسے لوگ ہوں اور اس کے باوجود لوگ اس پر پروانہ وار ٹوٹ پڑ رہے ہوں اگر اس کے حامل حقیقۃً اسلام کے کمالات سے متصف ہوتے تو کس قدر تیزی سے اس کا نور اقصائے عالم میں پھیل جاتا ــــ شاید خدائے تعالیٰ کو یہی منظور ہے کہ اسلام اپنی مقبولیت، اثر انگیزی اور سحر آفرینی کے لیے کسی قوم کی بلند اخلاقی کا رہین منت نہ رہے بلکہ وہ اپنے کمالات کا اعتراف اپنے ہی بل بوتے پر کرائے۔

ہم اگر اپنی بیماری تلاش کریں تو محسوس ہوگا کہ ممالک، جماعتیں، ادارے، ملی طبقات اور افراد سبھی کی بیماریاں کم وبیش یکساں ہیں، ہم اپنے مقصد کی سچی لگن، اس کے حصول کے لیے فنائیت، ایمان داری، خود اعتمادی، خلوص، مخالف کی رائے کا احترام، قوتِ صبر و برداشت اور تعلق مع اللہ کی نعمتوں سے محروم ہیں۔ بے مقصد کوشش، رسمی مشاغل، دل کا کھوٹ، اپنی بات کی پچ، دوسروں کی اندھی تقلید، خود غرضی اور خدا بیزاری ہماری زندگیوں میں عام ہے، ہم خود کو سنبھالنے کے لاکھ جتن کریں اور کتنی ہی تدبیریں سوچ لیں ان بیماریوں کو دور کیے بغیر ہم اپنی حالت سدھار نہیں سکتے، امام جلیل اور بطلِ حق و صداقت امام احمد بن حنبلؒ نے ملت اسلامیہ کی نبض پر انگلی رکھ کر بڑی نپی تلی ایک رائے دی تھی جس کی صداقت روز بروز عیاں سے عیاں تر ہو رہی ہے کہ

لن یصلح آخر هذه الامة الا ما صلح به اولها" (اس امت کے پچھلے بھی صرف اسی چیز سے کامیاب ہو سکتے ہیں جس سے ان کے اگلے کامیاب ہو چکے ہیں) ؎

اپنی ملت کو قیاس اقوامِ مغرب پر نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

ہریجنوں کا قبولِ اسلام ہمارے ملک کی تاریخ کا ایک بہت خاص اور اہم واقعہ ہے جس پر طرح طرح سے اظہارِ خیال کیا جا رہا ہے ہم مسلمانوں کے لیے اس واقعے میں مسرت سے زیادہ عبرت کا پہلو ہے۔ کسی ادارے کے ملازمین بیک وقت اسے چھوڑ کر چلے جائیں، کسی تنظیم کے بہت سے رفقاء ایک دم سے اس سے الگ ہو جائیں، یا کسی مذہب کے پیرو اس مذہب کو خیرباد کہہ دیں تو یہ بات باقی ماندہ لوگوں کے لیے سخت تکلیف دہ اور قلبی اذیت کا باعث ہوتی ہے، مگر اس کا تجزیہ ہر شخص اپنی اپنی ذہنی پرداز، سلامتیِ طبع اور فکر کی بلندی یا پستی کے مطابق کرتا ہے۔

سطحی اور عامیانہ ذہن رکھنے والوں نے اس واقعہ کی وجہ سے دوسروں پر سازش کرنے اور ہریجنوں پر لالچ وغیرہ کے الزامات عائد کیے جس کو ہماری حکومت کی حقیقت بین نگاہ نے تحقیقات کی روشنی میں بے بنیاد قرار دیا۔ کسی کسی طرف سے یہ آواز بھی آئی کہ اچھا ہوا یہ بوجھ ہمارے معاشرے سے ٹلا، مگر حقیقت شناس اور انصاف پسند ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد نے اس واقعے کو حقیقت پسندی کی نظر سے دیکھا، انھوں نے بے جھجک تسلیم کیا کہ کوئی لالچ، کوئی دباؤ یا کوئی بیرونی عمل نہیں بلکہ اس کا واحد سبب ہندو معاشرے کا اپنا نقص ہے، اس کی حد سے بڑھی ہوئی اونچ نیچ، اونی ذاتوں پر اعلیٰ ذاتوں کے مظالم اور پھر صدیوں سے تسلسل کے ساتھ اس کا باقی رہنا اس حادثہ کا سبب بنا ہے۔ ایک انگریزی ہفتہ وار کا ایڈیٹر جس کے قلم نے ہمیشہ مسلمانوں پر زہر کے چھینٹے برسا کر لطف لیا ہے وہ بھی حق و انصاف کی بات کہے بغیر نہ رہ سکا اور اس نے اپنے ایک مضمون میں حسبِ عادت بہت سی قابلِ اعتراض اور اشتعال انگیز باتوں کے ساتھ یہ اعتراف کیا کہ اسلام کی اپنی خوبیاں اور گوناگوں کمالات ہی ہیں جو لوگوں کو ہمیشہ اپنی طرف کھینچتے رہتے ہیں، اس نے ایک انگریز سیاح کا یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ اس کشش و قوت کا راز اسلامی جمہوریت ہے اور خاص طور ہندوستان میں جہاں قبولِ اسلام ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے ذات پات کی لعنت سے نجات مل سکتی ہے۔"

بمبئی کے ایک انگریزی ہفتہ وار اخبار نے ایک مضمون ایم کے ر تھنیش کے قلم سے ہریجنوں کے

اجتماعی قبول اسلام کے بارے میں شائع کیا ہے جس میں مضمون نگار نے اس واقعے کا بہت عمدہ اور صحیح تجزیہ کیا ہے، وہ لوگ اب نئے مذہب میں آکر کیا محسوس کرتے ہیں، انھوں نے مذہب تبدیل کرکے کیا پایا اور ان کا یہ اقدام کیسا رہا اس پر اس نے نہایت معتدل اور درست اظہار رائے کیا ہے، اس نے اس بات پر حیرت ظاہر کی ہے کہ ڈاکٹر امبیدکر نے اپنے ساتھیوں کو لے کر اسلام کے بجائے بدھ مت کیوں اختیار کیا۔؟ حالانکہ اس سے انھیں کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوا، صرف بدھ ہریجن ہوگئے اور ان کے ساتھ اعلیٰ ذات والوں کا برتاؤ بدستور پہلا سا ہی رہا۔

شنکرا چاریہ صاحبان نے اس واقعے سے بے چین ہوکر اعلیٰ ذات والے ہندوؤں کو جو مشورے دیے ہیں کہ وہ ہریجنوں کے ساتھ رواداری، نرمی اور مہربانی کا سلوک کریں اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے مضمون نگار نے بہت صحیح لکھا ہے کہ "اب یہ کوشش بعد از وقت ہے، یہ لوگ اصطبل کے پھاٹک اس وقت بند کرنے چلے ہیں جبکہ گھوڑے وہاں سے باہر نکل چکے ہیں" وہ لکھتا ہے کہ "ہریجنوں نے اس وقت یہ فیصلہ کرکے درحقیقت نہایت دور اندیشی اور عقل و بصیرت کا ثبوت دیا ہے"

مضمون نگار نے مستقبل کے ایک اندیشے کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ "ہوسکتا ہے ایک پشت یا دو پشت تک لوگ انھیں نو مسلم ہریجن کہتے رہیں لیکن ایک ہی دو نسل کے بعد رفتہ رفتہ وہ دیگر مسلمانوں کے شانہ بشانہ اور مساویانہ مقام حاصل کرلیں گے" وہ دیکھتا ہے۔ "عرصہ ہوا کیرالا کے ایک ہریجن مصلح لیڈر نے ہریجنوں کو اسلام قبول کر لینے کا مشورہ دیا تھا مگر ہریجن اس وقت تعلیمی پسماندگی کا شکار تھے، وہ اس مشورے کی اہمیت نہ سمجھ سکے تھے مگر آج ان میں اپنا مستقبل خود اپنی مرضی کے مطابق تعمیر کرنے کی صلاحیت پیدا ہوچکی ہے اور ان کے درد کا درماں اب ان کے سامنے آچکا ہے۔

ان حالات میں ہم مسلمان خود اپنا بھی جائزہ لے لیں، کیا ہم اس قابل ہیں کہ کوئی ہمارے درمیان آکر خوشی محسوس کرے؟ کیا یہ لوگ جو اپنا مذہب چھوڑ چھوڑ کر اسلام میں آرہے ہیں، کیا ان کو ہمارے اخلاق کی خوبی، ہمارے کردار کی بلندی، ہماری شرافت و دیانت، ہماری انسان دوستی اور ہمارے اوصاف و کمالات نے اسلام کی طرف کھینچا ہے۔؟ کیا ہمیں دیکھ کر کوئی اسلام کی تصویر سمجھ سکتا ہے؟ افسوس کہ ایسا نہیں ہے، ہماری عادات و اطوار میں بہت کچھ آفات اس گندے معاشرے کے شامل ہوگئے ہیں جس کو انھوں نے چھوڑ کر اسلام میں پناہ لی ہے، قرون اولیٰ کے مسلمان لاحساس چھوت چھات سے بالکل ناآشنا تھے مگر آج ہندوستان کے مسلمانوں میں یہ چیز بھی اچھی خاصی آگئی ہے، خدا نہ کرے کہ ہمارے ان نئے بھائیوں کو ہمارا معاشرہ دیکھ کر مایوسی ہو۔ (باقی صفحہ ۷۶ پر)